عباد اللہ فاروقی

نٹشے اور اقبالؒ

نٹشے اور اقبالؒ کے فکر میں جو ہم آہنگی اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ اس سے قطع نظر دونوں کے نظریات میں بنیادی فرق بھی ہے۔ علامہ کے فکر کی اساس خالص اسلامی ہے۔ اس کے برعکس نٹشے دہریت کی حمایت کرتا ہے۔ اسرار خودی کے زمانہ میں اقبال بلاشبہ نٹشے کے افکار و نظریات سے اثر پذیر ہوتے لیکن اس تاثر کے باوجود ان کا نقطۂ نظر ہمیشہ اسلامی رہا نٹشے کے بارے میں علامہ کی یہ رائے کہ ؏ "قلب او مومن دماغش کافر است" اس نظریاتی اختلاف کی نشاندہی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے نٹشے کے نظریات کو کبھی من و عن تسلیم نہیں کیا بلکہ ہر مقام پر اس کے خیالات پر خود اس نقطۂ نظر سے تنقید کی جو قرآنِ حکیم اور سنّتِ محمدی کے عمیق اور پُرخلوص مطالعہ نے انہیں عطا کیا تھا۔

اسرار خودی کے انگریزی ترجمہ کے بعد اقبال نے نکلسن کو جو خط لکھا اِس میں اِس حقیقت کو مکمل طور پر واضح کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"بعض انگریز تنقید نگاروں نے اِس تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نٹشے کے خیالات میں پایا جاتا ہے دھوکا کھایا ہے اور غلط راہ پر پڑ گئے ہیں[1]"

اس حقیقت کا مزید ثبوت اقبال کی ان سطور سے ملتا ہے جو انہوں نے ہیگل اور مارکس کے نقاد نٹشے اور شوپن ہار کے موقف کی وضاحت کرنے والے آئنسٹائن کی جرأت مندانہ فراست و دانش سے متاثر ہو کر صرف قرآنِ حکیم کے الہامی فہم و فکر کی روشنی میں سپردِ قلم کی ہیں۔ انیمیری شمل اپنے ایک مضمون میں اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہوئی رقمطراز ہے:

---

[1] اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ مرحوم ص۴۵۷ ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور۔

To show the influences which have moulded some of Iqbal's conceptions is not to disparage his merits. On the contrary such a study only proves the greatness of Pakistan's philosopher-poet who has succeeded in vivifying Islamic theology European and especially German thought has helped him to clear some positions of contemporary Muslim thought; by sifting and criticising the system of Hegal and Marx of Schopenhauer and especially of Nietzsche. (The Hallaj without cross) as well as of Bergson by penetrating in to the depths of Einstein's thought and by seeking its connection with the Quranic wisdom, he has built a spiritual bridge between Islam and western thought"

اس ضمن میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن مرحوم بجنوری کا بیان بھی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

"کیا اقبالؒ نٹشے کے زیر اثر ہے؟ میرا جواب اثبات میں، اگرچہ وہ ہمیشہ مستعار چیز کو جلا دے کر ایک نئی اور عجوبہ چیز بنا دیتا ہے۔ نٹشے میں اس کے مانند "حکایت الماس و زغال" اسرارِ خودی سے دیکھے جا سکتے ہیں جو تصنیف مندرجہ بالا کی حکایت ۲۹ 'پتھر و کوئلہ' سے ماخوذ ہے۔ مگر چونکہ اقبال نٹشے سے بزرگ تر شاعر ہیں اس لیے پتھر کو اس طرح کاٹا اور صیقل کیا ہے کہ الماس اس کا اپنا بن گیا ہے"[۲]

نٹشے کے نزدیک انسان کی ذات کا مقصد حصولِ اقتدار ہے جہاں ڈاروِن حیات کی بنیادی قوت

---

[۱] Muhammad Iqbal, poet and philosopher P.98. The Pakistan---German Forum Karachi.

[۲] اقبال نمبر، نیرنگ خیال ۱۹۳۳ء

کو عزم للبقا قرار دیتا ہے۔ نٹشے اس کو عزمِ قوت و اقتدار Will to power سے تعبیر کرتا ہے۔ اقبال اس کو عزمِ تسخیر کا مفہوم دیتا ہے۔ اقبال حصولِ قوت کا اقتدار کی خاطر نہیں بلکہ تسخیرِ فطرت کی خاطر آرزومند ہے۔

نٹشے کے نزدیک قوت خواہشات کی نفی میں نہیں ہے بلکہ حصولِ مقاصد کی خاطر تکلیف اور مصائب برداشت کرنے اور جوانمردی سے ان کا مقابلہ کرنے میں ہے۔ پُرخطر حالات میں تخلیقی کارہائے نمایاں کی انجام دہی اور ضرر رساں وسائل کو اپنی تخلیقی خدمات میں تبدیل کر کے اپنی ضروریات بنانا اس کے نزدیک مقتدر اور اعلیٰ طاقت کا شیوہ ہے۔ اقبال ان خیالات کا اظہار مندرجہ ذیل اشعار میں کرتے ہیں ؎

بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است | سفر بہ کعبہ نہ کردم کہ راہ بے خطر است

(پیامِ مشرق ص ۱۷۲)

زفیقش گفت کہ اے یارِ خردمند | اگر خواہی حیات اندر خطر زی
دما دم خویشتن را بر فساں زن | زتیغِ پاک گوہر تیز تر کن !
خطر تاب و تواں را امتحان است | عیارِ ممکنات جسم و جان است

(پیامِ مشرق، ص: ۱۴۳)

نٹشے کے نزدیک زندگی اس لیے دشوار پسند ہے کہ وہ حصولِ اقتدار چاہتی ہے۔ انسان کی جدّوجہد کا مقصد تحفظِ ذات (Self preservation) ہی نہیں ہے بلکہ وسائل اور اختیار حاصل کرنے کے لیے اپنے ہم جنسوں سے جنگ کرنا بھی ضروری ہے۔ نٹشے کے نزدیک جنگ ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جو ادنیٰ اور اعلیٰ انسان میں تمیز کرا سکتی ہے۔ نٹشے کہتا ہے کہ سامانِ جنگ بہتر سے بہتر پیدا کرنا چاہیے تاکہ ہر طاقت پر انسانی قبضہ ہو سکے۔ جنگ نہ صرف انسانوں کے خلاف بلکہ فطرت کے خلاف بھی لڑنی چاہیے۔

اقبالؒ کے نزدیک قرآن کی رُو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں محافظانہ اور مصلحانہ[1]۔

---

[1] مکاتیبِ اقبال (اقبال نامہ) مرتبہ شیخ عطاء اللہ مرحوم ص ۲۰۳

علامہ فرماتے ہیں کہ "جہاد کی نوعیّت عام طور پر دفاعی ہے لیکن بوقتِ ضرورت مصلحانہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر کسی قوم کی بداخلاقی اِس درجہ بڑھ جائے کہ اِس سے دوسری قوموں کے اخلاق تباہ ہونے کا اندیشہ ہو تو ہمسایہ اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ بزورِ شمشیر اِس قوم میں سے خرابی کو مٹانے کی کوشش کرے۔ چنانچہ سلطان شہید ٹیپوؒ نے مالابار کے وحشی باشندوں سے کہا تھا کہ تم لوگ بجائے برہنہ پھرنے کے کپڑے پہننا شروع کر دو ورنہ میں بزورِ شمشیر تمہیں کپڑے پہننے پر مجبور کر دوں گا۔"[1]

اقبال کی عدل و پیکار کی دعوت تسخیرِ کائنات و استحکامِ خودی کے لیے ہے۔ اس کے برعکس نٹشے کا مقصدِ زندگی حصولِ اقتدار ہے۔ دونوں مفکر حیاتِ کامل میں لذّت یابی کے تصوّر کے خلاف ہیں۔ لذت یابی کے لیے ضروری ہے کہ رنج و آلام ہوں حفظِ نفس کا ایسا تصوّر دونوں کے نزدیک غلط ہے جس میں تکلیف و آزار نہ ہو۔ اقبال نے فلسفہ سخت کوشی میں اِس خیال کا جابجا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً ؎

درماں زدرد ساز اگر خستہ تن شوی

خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی (پیامِ مشرق ص ۲۳۵)

نٹشے کے نزدیک حفظِ نفس حصولِ اقتدار میں ہے۔ جہاں تکلیف لازم ہے۔ اقبال کے نزدیک حفظِ نفس خار آشنائی اور تسخیرِ کائنات میں ہے۔ نٹشے کہتا ہے کہ حصولِ اقتدار کے لیے اختیارِ نفس بھی ضروری ہے۔ انسان کی کامیابی اِس میں ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو حاصل کرے۔ کیونکہ اس کی طاقت کا سرچشمہ اختیارِ نفس بینش اور عقل پر منحصر ہے۔ وہ لوگ جو اِس مقام کو حاصل کر لیتے ہیں وہ فوق البشر افراد کہلاتے ہیں۔

فوق البشر کا تصوّر ایک ایسے انسان کا تصوّر ہے جو عقل اور آگہی رکھتا ہے جس کی تخلیقی صلاحیّتیں ہوش و خرد سے کام لیتی ہیں جو عزم و افکار کی بنا پر اپنے معاصرین میں ممتاز ہے اور اقتدار کے لیے سرگرمِ عمل ہے۔ اِس کے برعکس اقبال کا مردِ کامل مادّی اور رُوحانی قوتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک حصولِ قوّت کا مقصد انسان کو انسان کا غلام بنانا نہیں۔ اقبال ضبطِ نفس اور استحکامِ خودی پر زور دیتے ہیں جن کے بغیر تقویمِ خودی کا تصوّر ہی محال ہے۔ ان کے نزدیک "ہر صحیح مومن فوق الانسان

---

[1] ملفوظاتِ اقبال ص ۱۴۶۔

(Superman) ہے۔ اور اسلام وہ بہترین سانچہ ہے جس میں فوق الانسان ڈھلتے ہیں[1]۔"
نٹشے اور اقبال دونوں زندگی سے گریز کی تعلیم اور نفیِ حیات کا درس دینے والے مذاہب سے گریزاں ہیں۔ ایسے مذاہب کی تعریف نٹشے ان الفاظ میں کرتا ہے:" نفیِ حیات کی تلقین کرنیوالے تمام مذاہب مرض اور بیماری کی منظم تاریخیں ہیں جو مذہبی اور اخلاقی اصطلاحوں میں بیان کی گئی ہیں[2]۔" نٹشے عیسائیت کی طرح بُدھ مت کو بھی نفیِ حیات کا مذہب تصوّر کرتا ہے۔ اس کے نزدیک افلاطون اور شوپنہار کے فلسفیانہ نظام بھی اِسی قبیل سے ہیں۔ ان مذاہب کے متعلق علاّمہ لکھتے ہیں:

"یہ وہ مذاہب ہیں جو بجائے زندگی کے موت (فنا) کو انسان کا نصب العین قرار دیتے ہیں۔ اور جن کی تعلیم یہ ہے کہ زندگی کی سب سے بڑی رکاوٹ مادّہ کا مقابلہ کرنے کے بجائے اِس سے گریز کرنا چاہیے[3]۔"

اقبال ایسے علم اور مذہب سے متنفر ہیں جو زندگی سے فرار کا سبق دیتے ہیں ؎

من آں علم و فراست با پرِ کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

اسی تاثر کے تحت نٹشے عیسائیت کے خلاف لکھتا ہے:

"عیسائیت ایک پست اور رُو بہ انحطاط تحریک ہے جو تمام تر فاسد اور فضلاتی عناصر پر مشتمل ہے۔ وہ ایک ایسی بنیاد پر قائم ہے جو ایسی ہر چیز کی نفی کرتی ہے جو کامران اور ذی اقتدار رہے۔ اس کے لیے ایک ایسا تمثل چاہیے جو کامیاب غالب اور ذی اقتدار پر لعنت کی نمائندگی کرتا ہو عیسائیت ہر قسم کی عقلی تحریک اور فلسفہ کی مخالف ہے۔ وہ فاترالعقول لوگوں کی پُشت پناہی کرتی ہے اور تمام عقل و دانش پر لعنت بھیجتی ہے۔ وہ ایک انتقام ہے صاحبِ صلاحیت فاضل اور ذہنی طور پر آزاد لوگوں کے خلاف۔ کیونکہ ان صفات میں اسے کامرانی اور اقتدار کا عنصر پوشیدہ نظر

---

[1] ملفوظاتِ اقبال ص ۱۷۶۔ مرتبہ محمود نظامی مطبوعہ لاہور۔

[2] نٹشے Will to power جلد اوّل، ص ۱۲۶۔

[3] The secret of self مقدمہ اقبال کا خط بنام ڈاکٹر نکلسن۔

آتا ہے[1]"

علامہ نے بھی اپنے خطبہ Knowledge and Religious experiences میں نفس الامری (Real) اور مثالی (ideal) کے تعلق سے اسلام کے نقطۂ نظر کا مقابلہ عیسائیت کے نقطۂ نظر سے کیا ہے۔

نٹشے اسلامی تہذیب کا دلدادہ تھا وہ لکھتا ہے کہ عیسائیت نے یونان اور روم کے عالیشان تمدن ہی کو تباہ و برباد نہیں کیا بلکہ بعد میں اسلام کی بدولت یورپ میں جس " انھوں نے عظیم الشان اور نایاب تمدن " کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی اس کا بھی قلع قمع کر دیا۔

عیسائیت نے اس فصل کو تباہ کر دیا جو قرونِ سابقہ کی تہذیب سے حاصل کر سکتے تھے۔ بعد کو اس نے اسلامی تہذیب سے جو فصل ہم حاصل کر سکتے تھے اس کو بھی اکارت کر دیا۔ ہسپانوی تہذیب کی وہ عجیب و غریب موری Moorish دنیا جو اپنی روح کے اعتبار سے ہم سے زیادہ قریبی نسبت رکھتی ہے اور ہمارے شعور و ذوق کو زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے اور متاثر کرتی ہے بمقابل یونان اور روما کے، یہ دنیا پامال کر دی گئی۔ (میں نہیں بتا سکتا کیسے قدموں نے اسے روندا ہے) کیوں؟ اس لیے کہ وہ اپنی بنیاد اور اپنی اصل کے اعتبار سے عظمت اور عالی ظرفی سے متعلق تھیں۔ اس لیے کہ وہ زندگی کو ہاں کہتی تھی۔ اِس زندگی کو بھی جو موروں کی لطیف و شائستہ تعیشات سے معمور تھی (بعد کو مسیحی مجاہدوں نے کسی عنوان سے جنگ کا آغاز کیا جس سے قبل ان کے لیے زیادہ مناسب تھا کہ وہ خاک میں اپنا منہ چھپا لیتے)۔ ایک ایسی تہذیب غارت کر دی گئی جس کے مقابل میں ہماری انیسویں صدی بھی بہت زیادہ ناقص محتاج اور خزاں رسیدہ معلوم ہوتی ہے[2]"

نٹشے کے متذکرہ بالا تصورات کی بنا پر اقبال نے اس کے قلبِ سلیم کو قلبِ مومن کہا ہے۔ علامہ کو یقین تھا کہ اگر نٹشے کو کوئی رہبرِ کامل مل جاتا تو وہ یقیناً مسلمان ہو جاتا۔ جاوید نامہ میں اقبالؒ نے جو نظم "مقامِ حکیم المانوی نطشہ" کے عنوان سے لکھی ہے اس میں ان خیالات کا شدید

---

[1] نٹشے Will to power ص ۱۳۰۔ جلد اوّل

[2] نٹشے۔ اینٹی کرائسٹ Anti Christ ص ۲۲۷۔

احساس ملتا ہے۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:-

آنچہ او جوید مقامِ کبریاست — این مقام از عقل و حکمت ماوراست
زندگی شرحِ اشاراتِ خودی است — لا و الّا از مقاماتِ خودی است
او بہ لا در ماند و تا الّا نرفت — از مقامِ عبدہٗ بیگانہ رفت
با تجلّی ہمکنار و بے خبر — دور تر چوں میوہ از بیخِ شجر!
چشمِ او جز رویتِ آدم نخواست — نعرہ بے باکانہ زد آدم کجاست!
ورنہ او از خاکیاں بیزار بود — مثلِ موسیٰ طالبِ دیدار بود
کاش بودے در زمانِ احمد[1] — تا رسیدے بر سرورے سرمدے[2]

جیسا کہ گزر چکا ہے نٹشے اور اقبالؒ دونوں حقیقتِ نفس الامری کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اعیان کی کوئی حقیقت نہیں۔ دونوں افلاطون کے اعیانِ نامشہود پر کڑی نگاہ ڈالتے ہیں۔ افلاطون کا فلسفہ یہ ہے کہ وجود صرف اعیان (Ideas) کا ہے جو حواس کے نہیں عقل کے معروض ہیں۔ کائنات کی تمام موجودات کے لیے ان کے اعیان موجود ہیں جو حقیقی وجود رکھتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں موجوداتِ عالم غیر حقیقی ہیں اور سایہ کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن واضح رہے کہ افلاطون کے اعیان کلیات ہیں۔ وہ شخصی یا جزئی مثال کا قائل نہ تھا۔

یہ دعویٰ فلاطینوس[3] نے کیا کہ کل بنی نوع انسان کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر انسان کے لیے ایک علیحدہ عین ثابت صورت یا مثال ہوتی ہے۔ یہ بات اس سے پہلے افلاطون یا ارسطو نے نہیں کی تھی۔ ان اعیان کے متعلق افلاطون کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ محض ہمارے یا خدا کے تصوّرات نہیں بلکہ علی الاطلاق بذاتِ خود

---

[1] حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

[2] جاوید نامہ ص ۱۷۸

[3] فلاطینوس تیسری صدی عیسوی کا نو افلاطونی فلسفی ہے۔ نو افلاطونی تیسری اور چوتھی عیسوی کے ان فلسفیوں کو کہتے ہیں جنہوں نے الہٰیات پر افلاطون کے نظریات کی تقلید میں غور و فکر کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ میں فلاطونی کہلاتے تھے۔ مگر چونکہ ان کے اور افلاطون کے نظریات میں کوئی مشابہت نہ تھی، اس لیے بعد کے ناقدین ان کو نو افلاطونی کہتے ہیں۔

مستقل طور پر موجود ہیں اور ان میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، یہ اُن اشیاء کا جوان سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں اصل ہیں، لیکن یہ ان سے آزاد اور مستقل وجود رکھتے ہیں فقط عقل ان کا اُدراک کر سکتی ہے۔

نٹشے ان تصورات کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حیات کے وہ تمام نظریے جو عقلیت تصورات اور اعیان کی بنیادوں پر قائم ہیں حیات کُش ہیں اور انسان کو سرورِ حیات کی لُطف اندوزی سے محروم کرکے اس کی شخصیت میں فساد اور انحطاط پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ اقبال بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں۔ افلاطون کے نظریۂ اعیان پر اقبال کی تنقید ملاحظہ ہو:

راہبِ دیرینہ افلاطون حکیم — از گروہِ گوسفندانِ قدیم،
رخشِ اُو در ظلمتِ معقول گُم — در کہستانِ وجود افگندہ سُم
آں چناں افسونِ نامحسوس خورد — اعتبار از دست و چشم و گوش برد
عقل خود را بر سرِ گردُوں رساند — عالمِ اسباب را افسانہ خواند
کارِ اُو تحلیلِ اجزائے حیات — قطعِ شاخِ سروِ رعنائے حیات
فکرِ افلاطون زیاں را سُود گفت — حکمتِ اُو بود را نابُود گفت!
منکرِ ہنگامۂ موجود گشت — خالقِ اعیانِ نامشہود گشت
زندہ جاں را عالمِ امکاں خوش است — مُردہ دل را عالمِ اعیاں خوش است (اسرارِ خودی)

عہدِ حاضر میں نٹشے پہلا مفکر ہے جس نے سقراطی اور افلاطونی نظریۂ حیات کی تردید کرکے یہ نظریہ پیش کیا کہ جذبۂ حیات جو تمام تخلیق کا سرچشمہ ہے اصلی اور حقیقی شے ہے۔ نٹشے کے نزدیک جذباتی اور جمالیاتی کیفیات عقلی اور منطقی کیفیات سے افضل اور زیادہ حقیقی ہیں۔ وہ فن کو دو حصّوں میں تقسیم کرتا ہے (۱) اپالونی (۲) ڈایونیسی (1)Appollonian(2)Dionysian) - اپالونی سنجیدہ تفکر ہے اس کے برعکس ڈایونیسی ہیجان یا جذبات کے طوفان کا دوسرا نام ہے۔ نٹشے ثانی الذکر کو افضل قرار دیتا ہے۔ علامہ کی اسرارِ خودی اور رموزِ بےخودی اسی قبیل سے ہیں۔ غرض اقبال بھی اس خصوص میں نٹشے کا ہمنوا ہے اور بجائے عقلیت کے جذبۂ حیات یا جذبۂ عشق کو حقیقی جوہر سمجھتا ہے۔ عقل اقبال کے نزدیک جذبہ کی ایک ثانوی پیداوار ہے اور اپنے افعال میں عشق کی رہینِ منت ہے ۔

بچشمِ عشق نگر تا سُراغِ خود بینی — جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است

Et
Ima

؎ عقلے کہ جہاں سوز دیک جلوۂ بے باکش ‏ ‏ از عشق بیاموزد آئینِ جہاں تابی

عقل کی تعریف میں اقبال کہتا ہے کہ حیات میں کارفرما بنیادی قوّت (LIFE FORCE) نے اپنی نشوونما اور تحفظ کی خاطر مختلف حواس قوتِ ادراک اور قوّتِ تخیّل کے چند آلات کی تشکیل کی ہے جن کی بہ حیثیت مجموعی فعلیت کا نام عقل ہے ؎

زندگی سرمایہ دار از آرزوست ‏ ‏ عقل از زائیدگانِ بطنِ اُوست

دست و دندان و دماغ و چشم و گوشش ‏ ‏ فکر و تخییل و شعور و یاد و ہوشش!

زندگی مرکب چوں در جنگاہ ساخت ‏ ‏ بہرِ حفظِ خویش ایں آلات ساخت

نٹشے کے نزدیک چونکہ انسان کا حقیقی مقصدِ زندگی حصولِ قوت ہے اس لیے جو چیز حصولِ قوّت پر مائل ہو وہ نیکی ہے۔ اور جو اس میں مانع ہو وہ بدی ہے۔ اقبال اِس خصوص میں بھی نٹشے کے ہمنوا ہیں۔ اگرچہ وہ قوّت کو تسخیرِ فطرت کا ذریعہ مانتے ہیں ؎

اہلِ حق را زندگی از قوّت است ‏ ‏ قوتِ ہر ملّت از جمعیّت است

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسون ‏ ‏ قوت بے رائے جہل است و جنوں

نٹشے حصولِ قوّت کی خاطر کمزور انسانوں پر حاکم کے اقتدار و جبر و تشدّد کو روا سمجھتا ہے۔ اس سے اس کا مقصد ایک ایسی قوّت فراہم کرنا ہے جس سے کمزور اور ناتواں انسانوں کے ذریعے مستقبل کے نصب العینی انسان کا نمونہ ڈھال سکے۔ اس طرح وہ ایک فردِ واحد (فوق البشر جو محض جلال کا مظہر ہے) کی تعمیر کی خاطر پُوری قوم کی تخریب کو روا سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس اقبال اگرچہ ملّت کے ساتھ فرد کی زندگی کو بھی اہمیّت دیتا ہے تاہم اشعارِ ذیل میں وہ مردِ مومن (جو جلالی اور جمالی قوّتوں کا پیکر ہے) کو ظہور میں لانے کی خاطر قریب قریب وہی طریق کار اختیار کرتا معلوم ہوتا ہے جو نٹشے نے اختیار کیا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار میں دونوں کی ہم آہنگی اور یگانگت کا سراغ ملتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:۔

؎ بہرِ یک گُل خونِ صد گلشن کند ‏ ‏ از پئے یک نغمہ صد شیون کند

عذرِ ایں اسراف و ایں سنگیں دلی ‏ ‏ خلق و تکمیل جمالِ معنوی

فلا سوزِ پیہم قسمتِ پروانہ ہا ‏ ‏ شمع عذرِ محنتِ پروانہ ہا

نافذین ار خانۂ اُو نقشِ صد امروز بست ‏ ‏ تا بیارد صبحِ فردائے بدست

شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت تا چراغِ یک محمدؐ بر فروخت (اسرار و رموز)

"یعنی وہ ایک پھول کی خاطر سینکڑوں گلشن تاراج کر دیتا ہے۔ وہ ایک نغمہ کی تلاش میں سینکڑوں دلخراش نالے بلند کرتا ہے۔ اِس بے پناہ پامالی اور سنگدلی کی علّتِ غائی خودی کے جمالِ معنوی کا ظہور اور اس کی تکمیل ہے۔ قسامِ ازل نے پروانوں کی قسمت میں جلنا لکھا ہے اور اس کی وجہِ جواز شمع کا وجود ہے خودی کا قلم سینکڑوں امروز کا نقش پیدا کرتا ہے تاکہ وہ کل کی صبح سے ہمکنار ہو سکے۔ اس کے شعلہ نے ہزار ابراہیم جلائے تاکہ وہ ایک محمدؐ کا چراغ روشن کر سکے۔"

یہ سب نٹشے کا فلسفۂ "انا" اور فلسفۂ حیات ہے۔ جہاں تک افکارِ اقبال کا تعلق ہے اقبال بہ نسبت نٹشے کے فشٹے سے زیادہ متاثر ہے۔ فشٹے کی کشمکشِ حیات میں روحانیت اور اخلاق کی چاشنی ہے جو نٹشے میں اس قدر نمایاں نہیں۔ فشٹے ایک خاص انداز کا موحّد ہے، اور نٹشے منکرِ خدا۔ اگرچہ علامہ نے اپنے خطبات میں لکھا ہے کہ "اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسان میں خدا کی تجلی اس نے (نٹشے) دیکھی تھی[1]" لیکن نٹشے کی یہ عبارت اس کے کافرانہ اندازِ فکر کا پتہ دیتی ہے:۔

"اگر خداؤں کا وجود ممکن ہوتا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ میں خود کو خدا بنائے بغیر چھوڑ دیتا[2]۔"

دوسری جگہ نٹشے لکھتا ہے کہ خدا کا وجود خودی کے ارتقاء میں مزاحم ہے۔ بالفاظِ دیگر خودی اور حیات کی نفی کرنے والی قوتوں کا مظہر خدا ہے۔

"خدا کا تصوّر حیات کے تصور کے مقابل میں وضع کیا گیا تھا۔ وہ تمام چیزیں جو حیات کے حق میں مضرت رساں، مہلک، حیات کی تحقیر کرنے والی اور حیات کی انتہائی مخالف تھیں خدا کی ایک بھیانک اکائی میں جمع کر دی گئی تھیں[3]۔"

جب ہم نٹشے کے فلسفۂ اخلاق کی طرف آتے ہیں تو وہاں بھی ایک قسم کی الجھن سی معلوم ہوتی ہے۔ بظاہر نٹشے کا حاکمانہ اخلاق کا نظریہ طبقۂ اُمراء کی حکومت اور استیلاء کے لیے وجہِ جواز ہے۔ وہ اس کی مزید توجیہ

---

1. خطبات ص ۱۴۴

2. بقول زرتشت، مصنفہ نٹشے ص ۱۲۲

3. نٹشے "اکے ہومو"، ص ۱۴۲۔ Ecco Homo, translated by A.M. Ludoniki

کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اعلیٰ طبقے کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ کمتر انسانوں کو غلاموں کی طرح اپنے کاموں میں استعمال کریں۔ محکومانہ اخلاق کی مثال یہ ہے کہ کمزور پسماندہ اور ناتراشیدہ انسانوں کو مخلص اور مسکین ہونے پر قناعت کرنی چاہیے، اور انہیں اعلیٰ طبقہ کے انسانوں کی پیروی کرنی چاہیے۔ یہاں نٹشے کا فلسفہ فاشزم کا بنیادی مسئلہ بن جاتا ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نٹشے نے قوت و جلال کے عنصر کے ساتھ اعلیٰ اصولوں کی رہنمائی کو بھی کہیں کہیں لازم قرار دیا ہے تو اس کا فاشزم کا حامی ہونا محلِ نظر بن جاتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام عمر خاں لکھتے ہیں: "نٹشے کے نظریۂ عزمِ اقتدار کے متعلق بعض اوقات یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ انفرادی یا اجتماعی حیثیت سے کمزور افراد یا قوموں کے استحصال اور ضعیفوں پر ظلم کی تعلیم ہے۔ نٹشے کے نظریہ کی رُوح اس کے بالکل برعکس ہے۔ کمزور کے ہاتھ سے روٹی چھین لینا نٹشے کے نزدیک بھی اس قدر بزدلانہ اور کرگسانہ اخلاق کا مظہر ہے جیسا کہ اقبال کے نزدیک۔"[1]

نٹشے اپنے بعض اشعار میں اس بات پر زور دیتا ہے کہ قوت کی عنان شخصیت کے اعلیٰ جوہر کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے۔ مثلاً:

"مجھے بہادروں سے محبت ہے مگر اس کے لیے صرف صاحبِ سیف ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ کس پر ہاتھ صاف کیا جائے۔"

"اور اکثر بہادری اس میں پائی جاتی ہے کہ آدمی اپنے آپے میں رہے اور چپکے سے گزر جائے تاکہ وہ اپنے آپ کو قابل ترین دشمن کے لیے اٹھا رکھے۔"

"تمہارے دشمنوں کو قابلِ عداوت ہونا چاہیے نہ قابلِ تحقیر، تمہیں اپنے دشمنوں پر ناز کرنا چاہیے۔"[2]

اقبال بھی قوتِ محض کو جہل اور شر تصور کرتا ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

زیرِ گردوں آمری از قاہری ‌‌‌‌‌‌‌ قاہری از ما سوی اللہ کافری
دلبری بے قاہری جادوگری ‌‌‌‌‌‌‌ دلبری با قاہری پیغمبری

تاہم علامہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ محکوم قوموں کا خاصا ہے کہ بجائے ارادۂ قوت کے وہ تدبیر سے

---

[1] رُوحِ اسلام اقبال کی نظر میں ص ۸۱ مصنفہ ڈاکٹر غلام عمر خاں، حیدر آباد دکن۔

[2] بقول زرتشت، ص ۲۹۸ ترجمہ اُردو ابوالحسن منصور احمد، انجمن ترقی اُردو حیدر آباد دکن ۱۹۲۵ء

کام لیتی ہیں ؎

در غلامی از پئے دفعِ ضرر | قوّتِ تدبیر گردد تیز تر
شیرِ نر را میش کردن ممکن است | غافلش از خویش کردن ممکن است
صاحبِ آوازۂ الہام گشت | واعظِ شیرانِ خوں آشام گشت!
ما بہ دارا از قوّتِ رُوحانیم | بہرِ شیراں مُرسلِ یزدانیم
ہر کہ باشد تند و زور آور شقی است | زندگانی محکم از نفیِ خودی است[۱]

اس محکومانہ ذہنیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حاکمانہ اخلاق کی قدریں زائل ہو جاتی ہیں اور شیر اپنی صفتِ شیری کھو دیتا ہے ؎

با پلنگاں سازگار آمد علف | گشت آخر گوہرِ شیری خزف
زورِ تن کاہید و خوفِ جاں فزود | خوفِ جاں سرمایۂ ہمت ربُود

غرض اقبال نٹشے کی طرح ارادۂ قوت کے تو قائل ہیں لیکن جبر اور تشدّد کے نہیں دونوں کے درمیان حقیقی فصل اس وقت شروع ہوتا ہے جب نٹشے ظلم اور تشدّد اور غلامی کو طاقت کے حصول کے لیے جائز قرار دیتا ہے۔ جب وہ جوہرِ شیری سے محروم ہو جاتا ہے تو تسخیرِ کائنات کے قابل نہیں رہتا۔ نٹشے کے متعلق علامہ ضربِ کلیم میں فرماتے ہیں:

؎ حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم | نگاہ چاہیے اسرارِ لاالٰہ کے لیے
خدنگِ سینۂ گردوں ہے اس کا فکرِ بلند | کمند اس کا تخیّل ہے مہر و مہ کے لیے
اگرچہ پاک ہے طینت میں راہبی اسکی | ترس رہی ہے مگر لذتِ گنہ کے لیے (ضربِ کلیم ۱۱۳)

نٹشے کے فوق البشر کے مقابل میں علامہ نے مردِ کامل یا مردِ مومن کا جو تصور پیش کیا اس سے دونوں کے نقطۂ نظر کا اختلاف کُلی طور پر واضح ہو جاتا ہے جہاں نٹشے کا فوق البشر جلال اور قوت کا مظہر اور مادہ پرست ہے وہاں اقبال کا مردِ کامل جلال کے ساتھ جمال اور مادیت کے ساتھ روحانیت کا ایک حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔ اقبالؒ کا مردِ کامل حیاتِ سرمدی کی دولتِ بے بہا سے مالامال ہے اقبال کے نزدیک زندگی مسلسل نمو کی حالت میں ہے، اس لیے عمل کی کوئی انتہا نہیں۔ عمل ہی سے خودی استحکام حاصل کرتی ہے اور عمل ہی کی بدولت مردِ کامل اپنے مرتبۂ جلیلہ پر فائز ہوتا ہے وہ تمام اسباب جو خودی کا استحکام کریں خیر اور جو اسے کمزور کریں شر سے عبارت ہیں۔ اس کے برعکس نٹشے کے ہاں حیاتِ جاوداں کا کوئی تصور ہی نہیں۔

[۱] اسرارِ رموز